مردِ مومن: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مولانا عبدالرشید عراقی ○

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یوں تو سید مودودیؒ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے بیک وقت گونا گوں اوصاف جمع کر دیے تھے، لیکن ان پر دین کی محبت ہر چیز سے زیادہ غالب تھی' اور عمر بھر مختلف انداز سے اُنھوں نے اس کی خدمت کی۔ سید مودودیؒ اپنے عہد میں اُردو زبان کے سب سے بڑے مصنف تھے۔ اُنھوں نے مختلف موضوعات پر متعدد ضخیم کتابیں لکھیں' اور ایک زمانے سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ سید صاحب نے مستقل تصانیف کے علاوہ' مختلف موضوعات پر سیکڑوں محققانہ علمی' ادبی' دینی' تاریخی اور تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں جو ترجمان القرآن کے ہزاروں اوراق پر پھیلے ہوئے ہیں۔

سید مودودیؒ نے ہوش سنبھالا تو ان کی تعلیم کا سلسلہ ان کے والد گرامی نے خود اپنی نگرانی میں شروع کیا اور انھیں کسی مکتب یا مدرسے میں بھیجنا گوارا نہ کیا۔ گھر میں اتالیق کا انتظام کیا' جو سید صاحب کو عربی ادب اور علوم دینیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ۱۹۱۴ء میں جب سید صاحب کی عمر ۱۱ سال کی تھی' انھوں نے مولوی کا امتحان پاس کر لیا۔

۱۹۱۸ء میں آپ نے صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ مختلف اوقات میں مدینہ' بجنور' تاج' جبل پور اور مسلم دہلی سے وابستگی رکھنے کے بعد ۱۹۲۳ء میں بھوپال تشریف لے گئے۔ بھوپال میں

○ سوہدرہ' وزیر آباد

آپ کا قیام تقریباً ڈیڑھ سال تک رہا۔ اس بارے میں سید صاحب نے خود لکھا ہے: ''اس ڈیڑھ سال کو میں نے بالکلیہ پڑھنے اور سوچنے کے لیے وقف کر دیا تھا۔ علوم قدیمہ و جدیدہ کے جتنے ذخائر تک میری رسائی ممکن تھی، میں نے ان سے استفادہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ غور وفکر اور مطالعے کو میں نے اتنی شدت اور تسلسل سے جاری رکھا کہ آخر کار میرے اعصاب پر تکان کے آثار ہویدا ہونے شروع ہو گئے''۔

۱۹۲۴ء میں سید صاحب بھوپال سے دہلی واپس آ گئے تو انھیں مولانا محمد علی جوہرؒ کی طرف سے ان کے اخبار ہمدرد اور جمعیت العلما کی طرف سے جمعیت کے ترجمان الجمعیة کی ادارت کی پیش کش کی گئی۔ سید صاحب نے الجمعیة کو ترجیح دی اور آپ تقریباً چار سال تک، یعنی ۱۹۲۸ء تک اس اخبار کے ایڈیٹر رہے۔

● **الجہاد فی الاسلام کی تالیف:** سید صاحب کے چار سالہ دور ادارت میں ملک میں کئی ایک اہم واقعات رونما ہوئے۔ ۱۹۲۶ء کے آخر میں شدھی تحریک کے بانی شردھانند قتل ہو گئے۔ اس قتل پر کانگریسی اور غیر کانگریسی ہندوؤں نے ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ اسلام خون خواری سکھاتا ہے۔ گاندھی جی نے کہا تھا: ''اسلام کی فیصلہ کن چیز پہلے بھی تلوار تھی اور اب بھی تلوار ہے''۔

اس دور کا ذکر کرتے ہوئے سید مودودی نے خود بیان کیا ہے: یہ غوغا آرائی ایک مدت تک بڑے زور و شور سے جاری رہی۔ مولانا محمد علی جوہرؒ نے ان بہتان تراشیوں سے تنگ آ کر جامع مسجد دہلی میں ایک تقریر کی، اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ کاش! کوئی اللہ کا بندہ ان الزامات کے جواب میں اسلام کا صحیح نقطۂ نظر پیش کرتا۔ تقریر سننے والوں میں سے ایک میں بھی تھا۔ میں جب وہاں سے اٹھا تو یہ سوچتا ہوا اٹھا کہ کیوں نہ میں ہی اللہ کا نام لے کر اپنی سی کوشش کروں۔

ہندوؤں کی غوغا آرائی اور مولانا محمد علی جوہرؒ کی اس اپیل نے سید مودودی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مسلمانوں اور اسلام کی مدافعت کے لیے قلم سنبھالیں۔ اگرچہ اخبار نویسی اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ اس کے ساتھ ساتھ کوئی علمی یا تحقیقی کام کیا جائے۔ لیکن سید صاحب نے ۱۹۲۷ء کے شروع میں الجمعیة کے کالموں میں اس مبسوط بحث کا آغاز کر دیا۔ جب یہ مقالے اخبار الجمعیة میں شائع ہو رہے تھے اس وقت سید صاحب کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ پھر یہ مقالے

کتابی صورت میں الجہاد فی الاسلام کے نام سے شائع ہوکر منظر عام پر آئے تو ان کو پڑھ کر علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا: اسلام کے نظریہ جہاد اور اس کے قانون صلح و جنگ پر یہ ایک بہترین تصنیف ہے۔ اور میں ہر ذی علم آدمی کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس کا مطالعہ کرے۔

● **حیدر آباد دکن میں سکونت:** ۱۹۲۸ء میں سید مودودی الجمعیۃ کی ادارت سے مستعفی ہوگئے اور دہلی کو خیر باد کہہ کر حیدر آباد دکن سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۳۰ء کے عشرے کے ابتدائی عرصے میں آپ کی کتاب دینیات شائع ہوئی، جس کے بعد آپ کی کتاب اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی کے مقالات سامنے آئے، ان مباحث نے ہندستان کے علمی حلقوں میں تہلکہ مچادیا۔

● **ترجمان القرآن کا اجرا:** ۱۹۳۳ء میں سید مودودی نے رسالہ ترجمان القرآن کی ادارت سنبھالی اور اسے اقامت دین کی جدوجہد کا ذریعہ بنایا۔ جب آپ نے رسالہ ترجمان القرآن کا اجرا کیا اس وقت آپ کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک اقامت دین کا راستہ، اور دوسرا دنیوی شہرت، ترقی اور حصول جاہ و زر کا راستہ۔ ان دونوں راستوں میں کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ سید صاحب نے اقامت دین کا راستہ اختیار کیا۔

ترجمان القرآن کے ذریعے سید صاحب نے دعوتِ انقلاب پیش کرنی شروع کی اور ان کا نقطۂ آغاز اور انتہائے مقصود قرآن کریم تھا۔ آپ نے ترجمان کے پہلے شمارے میں لکھا:

> یہ رسالہ آج جس مرحلے میں قدم رکھ رہا ہے وہ بہت کٹھن اور دشوار ہے۔ کٹھن اور دشوار اس معنی میں نہیں کہ اس کے پیش نظر اب پہلے سے زیادہ مشکل کام ہے، بلکہ اس معنی میں بھی کہ جن ہاتھوں میں وہ منتقل ہو رہا ہے وہ پہلے کام کرنے والے ہاتھوں سے زیادہ کمزور ہیں۔ ایک طرف یہ ضعیف و ناتواں ہے اور دوسری طرف پیش نظر کام یہ ہے کہ اسلام کو اس اصلی روشنی میں پیش کیا جائے جس میں قرآن کریم نے اس کو پیش کیا ہے۔ کہنے کو یہ کام بہت آسان ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مشکوٰۃ نبوت سے بُعد، علم صحیح کی کمی، سلامت قلب و استعداد نظر کے فقدان، یونانی تفلسف، عجمی موشگافی، مغربی تشکیک اور سب سے بڑھ کر خود پرستی اور ہوائے نفس کے اتباع نے

ہمارے اور معارف قرآنی کے درمیان ایسے پردے ڈال دیے ہیں کہ جس قرآن کو آسان کہا گیا تھا' وہ اب سب سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ ان حالات میں قرآن مجید کو اس کی اصلی صورت میں پیش کرنا ایک بڑا مشکل کام ہے۔

● **علامہ اقبال سے خط کتابت اور ملاقات:** ۱۹۳۶ء میں سید مودودیؒ کی علامہ اقبالؒ سے خط کتابت شروع ہوئی۔ اسی سال اُنھوں نے جامعہ علی گڈھ کے استفسار پر ایک جامع تعلیمی خاکہ تیار کیا۔ ۱۹۳۷ء میں آپ کی لاہور میں علامہ اقبالؒ سے ملاقات ہوئی اور علامہ نے آپ کو لاہور منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ اور اسی سال آپ کے مشہور سلسلہ مضامین مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش کتابی صورت میں منظر عام پر آئے۔

● **پٹھان کوٹ میں قیام:** ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو سید مودودیؒ حیدرآباد دکن سے پٹھان کوٹ (مشرقی پنجاب) منتقل ہو گئے۔ یہاں آپ نے سب سے پہلے 'مسئلہ قومیت' پر معرکۃ الآرا مقالہ سپرد قلم کیا' جس کی اشاعت سے سیاسی اور خاص طور پر دیوبندی حلقوں میں ہلچل مچ گئی۔ ۱۹۳۹ء میں آپ کی کتاب تجدید و احیاے دین شائع ہوئی۔ ۱۹۴۰ء میں سید صاحب کو اسلامی نظام حکومت کا خاکہ تیار کرنے کے لیے مسلم لیگ کی کمیٹی میں بحیثیت رکن نامزد کیا گیا۔ ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں ۷۵ افراد کا تاسیسی اجتماع ہوا' جس میں جماعت اسلامی کی تشکیل کی گئی اور سید مودودیؒ اس کے پہلے امیر منتخب ہوئے۔

● **تفہیم القرآن کا آغاز:** اسلامی انقلاب کے لیے سید مودودیؒ نے ۱۹۳۸ء ہی میں کام شروع کر دیا تھا اور آپ نے اس کا آغاز درس قرآن سے کیا۔ اسی سلسلۂ درس قرآن نے فروری ۱۹۴۲ء میں تفہیم القرآن کی شکل اختیار کی۔

تفہیم القرآن وہ تفسیر قرآن ہے جس نے ایک کٹھن اور فیصلہ کن دور میں قرآن کے زیر سایہ ایک خاموش انقلاب برپا کیا ہے' اور یہ انقلابی دور ابھی جاری ہے۔ بلاشبہہ جو خدمت تفہیم القرآن نے انجام دی ہے اور دے رہی ہے' وہ بڑی اہم اور تاریخی ہے۔ خالص علمی نقطۂ نظر سے تفہیم القرآن کا مقام بہت بلند ہے۔ تفہیم القرآن میں جس نقطۂ نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کتاب صحیفہ ہدایت ہے۔ کتاب ہدایت کی حیثیت سے قرآن کریم ہر

فرد میں اور پوری امت میں غور وفکر اور مطالعہ ونظر کا ایک خاص انداز پیدا کرتا ہے۔

تفہیم القرآن کے اساسی نقطۂ نظر کے مطابق بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن مجید محض ایک الہامی کتاب یا ایک تاریخی کتاب یا ایک عظیم کتاب نہیں۔ اس کا بنیادی دعویٰ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ابدی ہدایت ہے جو ایک دعوت کی طرف بلانے والی اور ایک جدوجہد کو برپا کرنے والی ہے۔ یہ ایک دعوت اور ایک تحریک ہے۔ قرآن کریم ایک پیغام کا علم بردار اور ایک دعوت اور تحریک کا داعی ہے۔ یہ ایک نظریاتی ملت کی تعمیر کرتا ہے اور پھر اسے ایک مشن سونپ دیتا ہے۔ اس دعوت اور اس جدوجہد کے لیے مقصد' اصول' اقدار اور ضابطے فراہم کرتا ہے۔ اس کے لیے کام کرنے والے انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا نقشہ متعین کرتا ہے۔ اس کام کو کرنے کے لیے جن صفات' محرکات' جذبات اور احساسات کی ضرورت ہے' وہ اسے پیدا کرتا ہے۔ یہ کتاب فرد کی زندگی میں بھی اور معاشرے اور آخرکار پوری دنیا میں بھی ایک کش مکش کو جنم دیتی ہے' حق و باطل کے درمیان کش مکش تاکہ زندگی کا نظام حق کے مطابق چل سکے اور باطل کو بالآخر ہتھیار ڈالنے پڑیں۔ یہ کتاب کائنات' انسان اور زندگی کا ایک خاص تصور پیش کرتی ہے۔ جو لوگ اس تصور حیات کو قبول کرلیں' یہ ان کی زندگی کی تعمیر ایک خاص نقشے کے مطابق کرتی ہے' اور جو اسے قبول نہ کریں ان سے مسلسل جہد و مقابلہ اور دعوت تبلیغ کا معاملہ کرتی ہے۔

قرآن مجید کے ایک دعوت کی کتاب ہونے کا تصور وہ مثالی کلید ہے جس سے فہم قرآن کی راہ کی تمام مشکلات دُور ہو جاتی ہیں۔ پھر قرآن کریم کا اسلوب' اس کا طریق استدلال' اس کا نظم' اس کا ادب' اس کے موضوعات کا تنوع' اس کے مضامین کی تکرار' اس کی اخلاقی تعلیمات' اس کے قانونی احکام' اس کے تاریخی مواعظ' غرض اس کی ہر بات سمجھ میں آجاتی ہے' اور یہ کارزارِ حیات میں مشعل راہ بن جاتی ہے۔ اگر ایک شخص اس تصور کے ساتھ قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی اور دوسرے انسانوں کی زندگی بدلنے کی جدوجہد کرتا ہے تو پھر قرآن کی آیات اس کے لیے محض کتاب میں لکھی ہوئی آیات نہیں رہیں گی' بلکہ آیاتِ زندگی بن جائیں گی' اور اسے محسوس ہوگا کہ قرآن کریم زندگی کے ہر قدم پر اس کی رہنمائی کر رہا ہے۔ بقول علامہ اقبال: ''قرآن کو اس طرح پڑھو گویا یہ تمھارے قلب پر نازل ہو رہا ہے''۔

تفہیم القرآن نے نظم قرآن کا ایک منفرد تصور پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ سید صاحب نے ہر سورہ کے تاریخی پس منظر اور اس کے مرکزی مضمون اور موضوعات کا تعین بھی کیا ہے۔ تفہیم القرآن میں فقہی احکام کی تشریح اور فقہی مکاتب فکر کا نقطۂ نظر اور قرآن کریم کی مجموعی تعلیمات اور قرآن کے بتائے ہوئے نظامِ اخلاق وتمدن کے مجموعی خاکے کی روشنی میں احکام کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسلام اور دوسرے ادیان، یعنی یہودیت وعیسائیت کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے اور ان اعتراضات کا بھی کافی وشافی جواب دیا گیا ہے، جو مسیحی اہل قلم اور مغربی مستشرقین نے قرآن کریم پر کیے ہیں۔

سید مودودی نے جب تفہیم القرآن کا آغاز کیا تو جلد اول کے دیباچے میں لکھا: میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جس غرض کے لیے میں نے یہ محنت کی ہے وہ پوری ہو، اور یہ کتاب قرآن مجید کے فہم میں بندگانِ خدا کے لیے واقعی کچھ مددگار ثابت ہو سکے۔ وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم!

۱۹۷۲ء، یعنی ۳۰ سال میں تفہیم القرآن مکمل ہوئی ہے۔ سید مودودی فرماتے ہیں: بندہ اپنے رب کے حضور عاجزی کے ساتھ چند اوراق لیے کھڑا ہے اور ایک زمانہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ محنت دین حق کے لیے تھی۔ یہ تفسیر، تفہیمِ حق کے لیے ہے۔ اور یہ زندگی، شہادت حق کے سوا کسی کام کے لیے وقف نہیں رہی اور یہ خدا ہی ہے جو اپنے بندوں کو اس کی توفیق دیتا ہے جس طرح کہ اس نے اپنے اس بندے کو توفیق دی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جب تفہیم القرآن مکمل کر لی تو اس سلسلے میں لاہور میں ایک منعقدہ تقریب میں دعا کرتے ہوئے فرمایا:

> بارِ الٰہا، تیری کتاب کی خدمت کرنے کے لیے میں نے جو بھی کوشش کی، وہ صرف تیری خوشنودی کے لیے کی اور اس لیے کی کہ وہ تیرے بندوں کے لیے رہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ بنے۔ اس کام میں جو کچھ صحیح ہے وہ تیری رہبری اور رہنمائی کا نتیجہ ہے، اور جو کچھ غلط ہے وہ میری غلطی اور تاویل کا نتیجہ ہے۔ مجھے اس کی توفیق عطا فرما کہ اس میں جو غلطی ہو اس کی اصلاح کر سکوں، اور اپنے بندوں کو بھی توفیق عطا فرما کہ جہاں جہاں بھی مجھ سے غلطی ہوئی وہ مجھے دلیل سے سمجھائیں، میں ان شاء اللہ اس

کی اصلاح کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ اور میری مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

● **پٹھان کوٹ سے لاہور:** ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان قائم ہوا۔ سید مودودی پٹھان کوٹ سے لاہور منتقل ہوگئے۔ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۲ء یعنی پانچ سال کے درمیانی عرصے میں سید صاحب بڑے نشیب و فراز سے گزرے۔ ۱۹۴۸ء میں اسیر زنداں بھی ہوئے' مارچ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد بھی منظور ہوئی جس کے لیے سب سے زیادہ زوردار آواز سید مودودی ہی نے اٹھائی تھی۔ ۳۱ علماے کرام کا تاریخی اجلاس علامہ سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں منعقد ہوا' جہاں پر اسلامی نظام کے نفاذ پر اعتراضات کے جواب میں ۲۲ نکات کی بالاتفاق منظوری دی گئی۔

● **تحریک ختم نبوتؐ:** فروری ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی۔ حکومت نے اس تحریک کو دبانے کے لیے لاہور میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ ۲۸ مارچ کو مولانا مودودی اور ان کے رفقا کو مارشل لا کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ ۱۱ مئی ۱۹۵۳ء کو فوجی عدالت نے سید مودودی کو سزاے موت کا حکم سنا دیا۔ مولانا مودودی کو سزاے موت سنانے پر سارے عالم اسلام میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ ہڑتالیں' احتجاج اور رہائی کا مطالبہ ہوا تو سزاے موت عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ ۲۹ اپریل ۱۹۵۵ء کو خاص قانونی سقم کی بنا پر سید مودودی اور ان کے رفقا کو ۲۵ ماہ کی قید کے بعد رہا کر دیا گیا۔

● **۱۹۵۶ء تا ۱۹۷۲ء:** اس عرصے میں سید مودودی نے وہ کارہاے نمایاں انجام دیے جو تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں' مثلاً:

● ۱۹۵۶ء میں مطالبہ دستور اسلامی کے حق میں مہم کی کامیابی۔

● ۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب خان مرحوم کا مارشل لا ملک میں نافذ ہوگیا۔ جماعت اسلامی پر پابندی عائد کر دی گئی۔ مولانا مودودی تحقیق و مطالعہ و تصنیف کے کام میں مشغول ہوگئے اور اس دوران ارض القرآن کا دورہ کرنے کے لیے عرب دنیا کے سفر پر گئے۔

● ۱۹۶۳ء میں جماعت اسلامی کا کل پاکستان اجتماع لاہور میں ہوا' جہاں مولانا مودودیؒ پر قاتلانہ حملہ ہوا' جس میں جماعت کا ایک کارکن اللہ بخش شہید ہوگیا۔ اس اجتماع میں سید صاحب مرحوم نے جو دعا مانگی آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

یا اللہ! ہم تیرے نام کی عظمت و سر بلندی کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ تیرے علم میں ہے کہ کون مفسد ہے اور کون مصلح، اے اللہ! جو مصلح ہیں، تو ان کی مدد فرما اور جو مفسد ہیں ان کے شر سے مصلحین کو بچا۔

۱۹۶۴ء میں جماعت اسلامی پر پابندی عائد کر کے مولانا مودودی کو ان کے قریبی رفقا سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۶۹ء میں جنرل ایوب خان سے دو آئینی مطالبات منوانے کے لیے گول میز کانفرنس میں شرکت کی، اور اسی سال مراکش میں اسلامی کانفرنس تنظیم (OIC) کی تاسیسی کانفرنس میں شرکت کی۔ یکم نومبر ۱۹۷۲ء کو ۲۲ سال تک تحریک اسلامی کی رہنمائی کرنے کے بعد مسلسل علالت اور کمزوری صحت کی وجہ سے جماعت اسلامی کی امارت سے سبکدوش ہو گئے، البتہ علمی و تحقیقی کاموں میں تا دمِ آخر مصروف رہے۔

۲۷ فروری ۱۹۷۹ء کو ان کی دینی و علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ جسے آپ کے صاحبزادے سید حسین فاروق مودودی نے ریاض (سعودی عرب) جا کر وصول کیا۔ سید صاحب اس ایوارڈ سے حاصل کردہ تمام رقم ادارہ معارف اسلامی کو دے دی، تاکہ علمی کاموں میں وسعت کے کام آئے۔

● **سفر امریکہ اور وفات:** مسلسل علالت کے پیش نظر سید صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق مودودی جو امریکہ میں ڈاکٹر ہیں، مئی ۱۹۷۹ء میں آپ کو امریکہ لے گئے تاکہ وہاں اپنی نگرانی میں علاج کرا سکیں۔ امریکہ میں آپ کا علاج ہوتا رہا۔ طبیعت کبھی بگڑ جاتی تھی، کبھی سنبھل جاتی تھی۔ مگر کل نفس ذائقة الموت کے تحت عالم اسلام کے عظیم مفکر اور جید عالم دین ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو انتقال کر گئے۔ انا لله وانا اليه راجعون!

۲۶ ستمبر کو آپ کا جسدِ خاکی پاکستان لایا گیا اور اچھرہ لاہور میں آپ کی قیام گاہ کے سامنے لان میں سپرد خاک کیا گیا۔

● **تصانیف:** مولانا مودودی کا شمار کثیر التصانیف مصنفین میں ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ آپ کی تصانیف قرآن، حدیث، فقہی علوم، تاریخ، سیاسیات، معاشیات، عمرانیات، ادب اور تعلیم سے متعلق ہیں۔ سید مودودی مرحوم نے اپنی ہر تصنیف میں

اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے اور اس کے ساتھ آپ نے اپنے علمی اور تحقیقی معیار کو نیچے نہیں گرنے دیا۔ اس لحاظ سے سید مودودی مرحوم کا شمار ان چند اہل قلم میں ہوتا ہے جو اپنی تصانیف کی کثرت اور معیار کی یکسانی دونوں میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔

سید صاحب کی آخری تصنیف سیرت سرور عالمؐ ہے جو دو جلدوں (اکتوبر ۱۹۷۸ء) میں ہے اور دونوں جلدیں مکی زندگی پر مشتمل ہیں۔ سید صاحب نے اپنی اس کتاب کے بارے میں ۱۵ جولائی ۱۹۷۲ء کو طلبہ کی طرف سے منعقد ہونے والی ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> اسی مطالعہ و تحقیق کے نتیجے میں، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ دین پوری طرح لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک براہ راست قرآن سے اسے نہ سمجھا جائے۔ میں نے قرآن مجید کی تفسیر سیرت پاک سے اس کا ربط جوڑتے اور جگہ جگہ آیتوں اور سورتوں کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ نزول قرآن اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات کسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ چلتے رہے ہیں۔ اسی طرح میں نے جگہ جگہ قرآن مجید کی آیات اور احکام کی تشریح میں معتبر احادیث نقل کی ہیں جن سے احادیث اور قرآن کا تعلق بھی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے اور اس غلط فہمی کے لیے کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی کہ حدیث کے بغیر بھی قرآن کو سمجھا جا سکتا ہے، بلکہ پڑھنے والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کے بکثرت ارشادات و احکام کو آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا۔

سید مودودی کی ہمہ گیر شخصیت گوناگوں اوصاف کی حامل تھی۔ آپ بہ یک وقت مفسر بھی تھے اور مفکر بھی، مؤرخ بھی تھے اور محقق بھی، نقاد بھی تھے اور مبصر بھی، مقرر بھی تھے اور مبلغ بھی، دانش ور بھی تھے اور ادیب بھی، مصنف بھی تھے اور صحافی بھی، سیاست دان بھی تھے اور جید عالم دین بھی۔ ذیل میں ان کی ہمہ گیر شخصیت پر ایک اجمالی تبصرہ پیش کیا جاتا ہے:

۱- اسلام ایک انسان میں کس قدر عظیم الشان انقلاب برپا کرتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام کرنے کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں دور کر دیتا ہے، اس کی ایک مثال اس زمانے میں ہمارے سامنے مولانا مودودیؒ ہیں۔

۲- اس میں رائی برابر مبالغہ نہیں ہے کہ سید مودودی مرحوم نے دین اسلام کی خاطر بہت سی مصیبتیں مول لے کر اپنے راحت و آرام کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ اس شخص نے بیمار رہ کر وہ کام کیا جو بہت سے لوگ تندرست اور صحت مند رہ کر نہیں کر سکتے۔

۳- جو شخص سید مرحوم کی تحریروں کو پڑھے گا اسے معلوم ہو گا کہ ان کے ایمان میں کس قدر قوت تھی اور ان کا ادب کس قدر بلند اور شستہ تھا۔ ان کی تحریر ایک فنی انداز میں تہذیب و ادب کی تحریر تھی، جس سے ان کے گہرے مطالعۂ باریک بینی، دینی تڑپ، رقت قلب اور زندگی کے وجدان کا اندازہ ہوتا ہے۔

۴- سید مودودیؒ قدرت کی طرف سے بڑا اچھا دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے روشن فکر، دردمند دل اور سلجھا ہوا دماغ پایا تھا۔ ذہن و ذکاوت کے ساتھ قوت حافظہ بھی قوی تھا۔

۵- سید مودودیؒ ان معدودے چند خوش قسمت افراد میں سے تھے، جنھوں نے زبان کو صحیح طریقے پر استعمال کیا۔ اپنے فطری ذوق اور وہبی صلاحیتوں سے ان کے فن کو جلا بخشی۔ قدیم ماخذ کے گہرے مطالعے اور جدید لٹریچر سے براہ راست استفادہ کیا۔ ایک مناسب اور معقول طرز میں ادبیت کو ڈھال دیا۔

۶- سید مودودیؒ اوقات کے بڑے منضبط تھے۔ وہ اصولی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ نظم و ضبط پر اتنا زور دیتے تھے کہ جیسے زندگی کو مشن بنا دینا چاہتے تھے۔ اگر سید صاحب اوقات میں ضبط و نظم کا اتنا اہتمام نہ کرتے تو وہ علم و ادب کی خدمت نہ کر سکتے تھے۔ بے قاعدگی اور بدنظمی سے ان کو سخت نفرت تھی۔

۷- سید مودودیؒ ٹھوس مطالعے کے عادی تھے۔ عربی ادب و انشاء، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، اشتراکیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ ان کے خاص موضوع تھے۔ اس لیے ان فنون میں ان کا مطالعہ بہت ٹھوس اور تنقیدی تھا۔

۸- سید مودودیؒ عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ علوم اسلامیہ میں تبحر علمی کے علاوہ سیاست، فلسفہ، سائنس اور جغرافیہ وغیرہ سے مکمل واقفیت رکھتے تھے۔